''مقدّمہ شعر و شاعری'' - ایک اہم تنقیدی دستاویز

تنویر حسین

Abstract:

"Moqaddma-e-Sher-o-Shairy" is first critical book of Urdu literature. It has been considered an important critical document. Some critics have given negative remarks about "Muqaddma" but some prominent critics have defended this book. In this article, an effort has been made to make reader know about the opinion of the critics who have strongly critised the work of Altaf Hussain Hali.

مولانا الطاف حسین حالی اُردو ادب کی ایسی کثیر الجہات شخصیت ہیں کہ ان کی ہر جہت اپنی جگہ مسلّم اور مؤثر نظر آتی ہے۔ انھوں نے اردو ادب کو نئی جہتوں اور جدید تحریکوں سے مالا مال کیا۔ غزل کہی تو اس میں روزمرّہ کی زندگی کے رنگ شامل کر دیے۔ انھوں نے کہا کہ شب و روز بھیرویں الاپنے اور شعر میں ایک ہی مضمون کو بار بار باندھنے سے طبیعت نہ صرف اکتا جاتی ہے بل کہ ایک نفرت کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ انھوں نے شعر کو خیالی دنیا سے نکال کر حقیقت اور واقعیت کی راہ دکھائی۔

نظم کہی تو چار دانگ عالم میں دھوم مچ گئی۔ ''مسدّسِ حالی'' نے ایک تہلکہ سا مچا دیا۔ اس نظم کے پیچھے سرسید جیسی شخصیت تھی، جو مسلمانوں کی ہمدرد اور خیر خواہ تھی۔ یہ نظم ایک ایسا عہد آفریں کارنامہ ہے کہ اُردو ادب کی تاریخ اس کارنامے پر جتنا ناز کرے کم ہے۔ ''مسدّس'' مسلمانوں کے عروج و زوال کی ایک پُر ملال داستان ہے۔ اس نظم میں جذبے، تخیل اور صداقت کی آمیزش ہے۔ علاوہ ازیں حالی نے معاشرتی و معاشی اصلاح کے لیے نظمیں لکھیں۔ خصوصاً عورتوں کی مصیبتوں، محرومیوں اور حق تلفیوں، ان کے حقوق کے تحفّظ، ان کی فطرت و سیرت، ان کے فطری احساسات و جذبات اور ان کی دردناک حالتوں کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ حالی کے مرثیوں، قصیدوں اور نعت کی تعداد بہت کم ہے لیکن غالب کا مرثیہ اس انداز سے کہا ہے کہ عقیدت اور شاعری کا حق ادا ہو گیا ہے۔ جس طرح حالی نے اپنی غزل اور نظم کی نئی بنیاد رکھی، اسی طرح انھوں نے نثر میں بھی

جدید طرز ایجاز کی۔ ان کی نثر ادبی تنقید اور سیرت و سوانح نگاری پر مشتمل ہے۔ ان کی سوانح نگاری میں سنجیدگی، متانت اور علمی وقار نظر آتا ہے۔'حیاتِ سعدی'، 'یادگارِ غالب' اور 'حیاتِ جاوید' کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ متواتر شایع ہو رہی ہیں۔

حالؔی کی نثر میں ان کا مقدّمہ، جو ''مقدّمہ شعر و شاعری'' کے نام سے مشہور ہے، اردو تنقید کی پہلی باقاعدہ تصنیف کی حیثیت میں منظرِ عام پر آیا۔ اس سے قبل اردو تذکروں میں تنقید کا ایک مخصوص انداز دکھائی دیتا ہے۔

حالی نے مقدّمہ میں شعر کی مدح و زم، شاعری کا ملکہ بے کار نہیں، تاثیرِ شعر، شاعروں کے حسنِ قبول، سیاسی معاملات میں اشعار کا کردار اور عربی و فارسی شعرا کے کلام کی تاثیر کے حوالے سے معلومات فراہم کی ہیں۔ ان معلومات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حالی کی فارسی اور عربی ادب پر گہری نظر تھی۔ مولانا حالی نے شاعری کا تعلق اخلاق سے جوڑا ہے۔ مولانا حالی نے لکھا ہے کہ معاشرے کی عادات اور اس کے مذاق میلانِ شاعری پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دربار کی واہ وا اور صلہ کی چاٹ شاعر کو جھوٹ، خوشامد اور بھٹئی پر اُکساتی ہے۔ حالی نے یہ بات کہہ کر شاعری کے معیار و مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب فضول شاعری پر صلہ و انعام نچھاور کیا جائے اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جائیں تو امتیازِ کامل و ناقص مٹ جاتا ہے۔

حالی نے اس دور کا نقشہ بھی پیش کیا ہے جب شاعر سچے جوش و جذبے سے مدح و زم کرتے تھے۔ خلفا و سلاطین کی مہمات اور فتوحات کو قصائد کا حصّہ بناتے تھے۔ اونٹوں گھوڑوں کی تیز رفتاری اور اُن کی وفاداری کا حال بیان کرتے تھے اور چراگاہوں، چشموں، ندیوں، وادیوں، مختلف مواضع، شہروں اور قریوں کی ہو بہو تصویریں کھینچتے تھے۔ آہستہ آہستہ دربار کے خوشامدی ماحول نے شاعروں سے ان کے اصلی جوہر چھین لیے اور ان کے قلم صرف خوشامدی اور گھٹیا عشق کے مضامین کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئے۔ جب ان مضامین میں کوئی چاشنی باقی نہ رہی تو سلاطین اور امرا کی محفل کو گرمانے کی خاطر شاعروں نے ہجویات و ہزلیات میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں معاشرے کا مذاق بہت پست ہو گیا۔

جب جھوٹ اور مبالغہ شاعری میں شامل ہو جائے تو لوگ حقیقت و صداقت سے دور ہونے لگتے ہیں۔ یہیں سے معاشرہ اخلاقی طور پر کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ پھر بُری شاعری سے زبان و ادب کو بے حد نقصان پہنچتا ہے۔ حالی نے شاعری کی اصلاح کے سلسلے میں ان مشکلات کا ذکر بھی کیا ہے، جو کسی شاعر کو پرانے اور بنے بنائے راستے سے الگ اپنا نیا راستہ اختیار کرنے میں پیش آتی ہیں۔ لوگ اس نئے راستے کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے اخلاقی مضامین کا طعنہ دیتے ہیں یعنی اسے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ حالی نئے راستے کے مسافر کو ایسی باتوں کی پروا نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حالی نے اپنے دور کی شاعرانہ حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ چند بحروں میں کلامِ موزوں، عام اور پامال مضامین اور معمولی تشبیہات و استعارات کا نام شاعری نہیں۔ وزن اور قافیے کے حوالے سے حالی فرماتے ہیں کہ نفسِ شعر وزن کا محتاج نہیں اور قافیہ کی بہت زیادہ قید بھی معانی و مطالب کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ بُت تراشی، مصوّری اور ناٹک شاعری کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ حالی اشعار کی مثالوں سے ان حالتوں اور

کیفیات کی طرف توجّہ دلاتے ہیں، جو مصوّر، بُت تراش اور ایکٹر کی گرفت سے باہر ہوتی ہیں۔ مولانا حالی نے شاعر اور غیر شاعر میں فرق بتانے کے لیے تخیل، مطالعۂ کائنات اور تفحصِ الفاظ یعنی مناسب اور موزوں الفاظ کے انتخاب کے حوالے سے بحث کی ہے۔ آمد اور آورد کی بحث میں مولانا حالی نے آمد اور فوری طور پر سوجھنے والے اشعار کو اتفاقات میں کھاتے میں ڈالا ہے اور اشعار کو معیاری اور پُر تاثیر بنانے کے لیے تراش خراش اور بار بار غور و فکر کرنے کو روا اور ضروی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنی بات کو تقویت پہنچانے کے لیے ورجل، ملٹن اور ابنِ رشیق کے حوالے دے ہیں۔ ابنِ خلدون نے کہا ہے کہ انشاپردازی کا ہنر (نظم و نثر میں) الفاظ میں ہے، معنی میں ہرگز نہیں۔ معانی ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں اور ان کے لیے کسی ہنر کے اکتساب کی ضرورت نہیں۔ مولانا حالی الفاظ کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ شاعری کی تکمیل کے لیے محدود خیالات اور معمولی باتوں کو ناکافی سمجھتے ہیں اور کتابِ فطرت کے مطالعے اور قوتِ متخیلہ کو از حد ضروری گردانتے ہیں۔ مولانا حالی نے ابنِ رشیق کے حوالے سے اختلاف کیا ہے کہ شاعر کو اعلیٰ درجے کے شاعروں کا کلام ازبر ہونا چاہیے۔ حالی یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں کہ یہ بات عربی زبان کے لیے تو مناسب ہے کہ اس زبان کی عمر ہزار برس سے زائد ہے۔ جب کہ اُردو زبان، جو ابھی گھٹنوں رینگتی نظر آتی ہے، اس کے لیے یہ فارمولا مناسب نہیں۔ نئی زبان میں تو نئے خیالات، نئے مضامین اور نئے موضوعات داخل ہونے چاہییں۔ اس کے بعد مولانا حالی ملٹن کے حوالے سے شعر کی خوبیوں، سادگی، جوش اور اس کی اصلیت بیان کرتے ہیں۔ سادگی، اصلیت اور جوش جیسی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لیے حالی اُردو اور فارسی شاعروں کے کلام سے مثالیں دیتے ہیں۔ مولانا حالی نے جس طرح مسدّسِ حالی میں مسلمانوں کے تاب ناک ماضی کا نقشہ کھینچا ہے اور زمانۂ حال میں مسلمانوں کی کمزوریوں، کوتاہیوں اور برائیوں کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح انھوں نے قدیم عربی شعرا کے اصلی اور سچے جذبات اور متاخرین کے جھوٹے اور فرضی خیالات کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ مولانا حالی کہتے ہیں کہ یہ رنگ عرب سے ایران اور پھر ہندوستان میں پہنچا۔ بقول حالی:

> ''آخرِ کار مسلمانوں کی شاعری کا حال اس ویران بستی کا سا ہو گیا جو کبھی آدمیوں سے معمور تھی
> مگر اب وہاں سُونے مکانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔''(۱)

مولانا حالی نے مسدّس میں مسلمانوں کو آئینہ دکھایا ہے اور مقدّمہ میں اُردو شاعری کو۔ مولانا حالی کے ''مقدّمہ'' کی اگر تعریف ہوتی ہے اور بڑے بڑے ناقدین اسے سراہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا ہوا میں تلوار نہیں چلاتے۔ وہ اپنی بیان کردہ بات کو دلائل و براہین سے ثابت کرتے ہیں۔ اگر وہ ملٹن کی شعری شرائط جوش، اصلیت اور سادگی کا حوالہ دیتے ہیں تو ان شرائط کو عربی، فارسی اور اُردو شاعری پر لاگو کر کے سمجھاتے ہیں۔ جس طرح ڈاکٹر بعض مریضوں کو ایکسرے اتروانے کی تجویز دیتے ہیں اور پھر مرض کی تشخیص کرتے ہیں، اسی طرح مولانا حالی نے اُردو شاعری کے ایکسرے کے ذریعے مرض کی تشخیص کی۔ انھوں نے اُردو شاعری کے ایکسرے میں دو مقامات کی نشان دہی کی۔ مراد یہ کہ اُردو شاعری عشقیہ اور مدحیہ امراض کی شکار ہے۔ انھوں نے محبوب، عاشق، رقیب، زاہد، ساقی، محبوب کی کمر، اس کے غمزوں اداؤں، اس کے سامانِ آرایش و زیبائش، باغ و صحرا، دیار و محفل اور سامانِ غم

کے حوالے سے شاعروں کے خیالات اور لگے بندھے الفاظ کے ذریعے اُردو غزل کا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ شاعر قصیدوں اور مثنویوں میں انھی خلافِ عادات اور فرضی واقعات کو باندھتے چلے جاتے ہیں، جو قدیم شاعروں کا شعار تھا۔

مولانا حالی کا ''مقدّمہ شعر و شاعری'' شاعروں کے لیے نصاب کا درجہ رکھتا ہے۔ مولانا جھوٹ اور غلو کی آمیزش کو شاعری کے لیے زہر قرار دیتے ہیں۔ حالؔی جب ''مقدّمہ'' لکھ رہے تھے، اس وقت بعض لوگوں تک مغربی شاعری کی روشنی نہیں پہنچی تھی، اس لیے لوگوں کو بعض شعری اصطلاحات کا صحیح ادراک نہ تھا۔ جس طرح نیچرل شاعری کو بعض لوگ اس شاعری کو سمجھتے تھے، جس کا تعلق نیچریوں اور نیچریوں کے مذہبی خیالات سے تھا۔ حالی نے نیچرل شاعری کی وضاحت وصراحت کی ہے اور مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے۔ مولانا نے زبان کی درستی اور صفائی پر بھی زور دیا ہے اور اُردو زبان کو وسیع اور اظہارِ خیال کے لائق سمجھتے ہوئے شاعروں کو اسی زبان میں شعر کہنے کا مشورہ دیا ہے۔

مولانا حالی نے دلّی اور لکھنؤ اسکولوں اور ان کے اہم شعرا کا تذکرہ بھی کیا ہے اور علمی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل مصادر سے استفادہ کرنے کی طرف توجّہ دلائی ہے۔ انھوں نے اہلِ دہلی اور اہلِ لکھنؤ کو اپنی اپنی زبان پر اترانے کی بجائے اسے زمانے کی رفتار سے آگے بڑھانے کا مشورہ بھی دیا ہے۔ اُردو پر دسترسِ کامل حاصل کرنے کے لیے صرف دہلی اور لکھنؤ کے کنوؤں کو آخر منزل نہیں سمجھنا چاہیے بل کہ عربی اور فارسی زبانوں کے چشموں سے بھی اپنی پیاس بجھانی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندی بھاشا کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ یہ بحث آج بھی ہوتی ہے کہ فلاں فلاں زبان کے الفاظ اُردو میں غلط استعمال ہوتے ہیں اور ان کی اصلیت نظر نہیں آتی۔ مولانا حالی نے مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے کہ دوسری بہت سی زبانوں کے الفاظ اُردو میں شامل ہو چکے ہیں۔ اب یہ سمجھنا کہ وہ اصل وضع کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں، ایک غلطی ہے۔ وہ الفاظ اب اُردو کا حصہ بن چکے ہیں۔ اب انھیں اُردو کے الفاظ ہی کا درجہ دینا چاہیے۔

''مقدّمہ شعر و شاعری'' پر تنقید کرنے والوں میں کلیم الدین احمد سرفہرست دکھائی دیتے ہیں۔ کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب ''اُردو تنقید پر ایک نظر'' میں ''حالی'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون کے آغاز میں کلیم الدین حالی کی صلاحیتوں کو تسلیم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''اپنے زمانے، اپنے ماحول، اپنے ممدود میں حالؔی نے جو کچھ کیا وہ بہت تعریف کی بات ہے۔
> وہ اُردو تنقید کے بانی بھی ہیں اور اُردو کے بہترین نقاد بھی۔''

چند سطور کے بعد کلیم الدین، مولانا حالی کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''شعر و شاعری کی اہمیت کا صحیح اندازہ حالی کے بس کی بات ہی نہیں''(۲)

آگے جا کر لکھتے ہیں:

> ''اس کے علاوہ حالؔی کی نظر سطحی تھی اور یہ سطحیت ہر جگہ ملتی ہے''(۳)

مثلاً وہ کہتے ہیں کہ شعر کی تاثیر مسلّم ہے لیکن جس تاثیر کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی(۴) کلیم الدین تاثیر کے حوالے سے ''مقدّمہ شعر و شاعری'' سے اقتباس دیتے ہیں۔

سب سے پہلے تو کلیم الدین احمد کی تضاد بیانی پر ہنسی آتی ہے کہ ایک ہی سانس میں حالی بہترین نقاد ہیں اور دوسری سانس میں حالی شعر و شاعری کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ تاثیر کے حوالے سے کلیم الدین مقدّمہ سے جو اقتباس دیتے ہیں، وہ کلیم الدین کی سطحیت کا پول کھولتا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلیم الدین نے اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے جو اقتباس پیش کیا ہے، وہ ان کے دعوے کو رد کرتا ہے۔ ایک محفل میں کسی نقاد نے فیض احمد فیض کی شاعری کے خلاف مضمون پڑھا۔ جب مضمون ختم ہوا تو کمپیئر نے اعلان کیا کہ اب فلاں صاحب فیض کا کلام سنائیں گے۔ جب کلام سنایا گیا تو وہ نقاد جھومنے لگے۔ ''مقدمے'' کے حوالے سے کلیم الدین احمد کے یہ جملے ملاحظہ کیجیے:

> ''شعر کی تاثیر کو ثابت کرنے کے لیے وہ بہت سی مثالیں بھی دیتے ہیں۔ کچھ مثالوں سے ان کی ناسمجھی ظاہر ہوتی ہے۔''(۵)

''شعر کا مقصد جذبات کو بھڑکانا نہیں۔'' (۶) ''اخلاق اور شاعری اہم موضوع ہے لیکن اس موضوع پر جو خیالات حالی سپردِ قلم کرتے ہیں، وہ اہم نہیں، ان میں کوئی نیا پن یا گہرائی نہیں۔''(۷)

''شاعری کے لیے جو شرطیں حالی ضروری سمجھتے ہیں، وہ بھی سطحی اور کورانہ طور پر اخذ کی گئی ہیں۔ یہ شرطیں تین ہیں۔ تخیل، کائنات کا مطالعہ، تفحصِ الفاظ۔''(۸) ''حالی خیالات تو اخذ کر لیتے ہیں لیکن ان پر غور نہیں کرتے۔''(۹)

کلیم الدین احمد اپنے مضمون ''حالی'' میں یہ حتمی رائے دیتے ہیں:

> ''خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر سطحی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ناکافی، تمیز ادنی دماغ و شخصیت اوسط، یہ تھی حالی کی کائنات۔''(۱۰)

کلیم الدین احمد ''مقدّمہ شعر و شاعری'' کے حوالے سے مولانا الطاف حسین حالی کے بارے میں جو الفاظ استعمال کرتے ہیں، وہ ایسے ہیں جیسے حالی کی میٹرک میں کمپارٹ آ گئی ہو۔ جیسے مولانا حالی نے نظم، غزل، مرثیہ، قصیدہ اور سوانح و سیرت کے حوالے سے ایک آدھ نظم، غزل، شعر یا نثر پارہ تخلیق نہ کیا ہو۔ مذکورہ الفاظ تو کوئی استاد اپنے معمولی شاگرد کے لیے بھی استعمال نہیں کرتا۔ اب ہم ان لوگوں کی آرا کی طرف رجوع کرتے ہیں، جنھوں نے مولانا حالی کے ''مقدّمہ'' کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا ہے اور پھر وہ رائے دی ہے، جس میں ابہام اور الجھاؤ نہیں ہے۔ کیوں کہ کلیم الدین احمد کے خیالات میں ابہام اور الجھاؤ ہوتا ہے۔

کمال احمد صدیقی اپنے مضمون ''دیوانِ حالی کا مقدّمہ'' میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

> ''اُردو شاعری کی پہلی بوطیقا حالی نے لکھی (اگرچہ مثالوں میں فارسی شعر لائے) حالی نے اپنے دیوان کا مقدمہ لکھا، جو ۱۸۹۳ء میں چھپا۔ کچھ نے اس مقدمے کو حالی کی شاعری کے افادی رنگ کا جواز، کچھ نے معذرت سمجھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مقدّمہ کو

دیوان سے الگ کر کے ایک کتاب کی صورت میں چھاپا گیا اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کا شمار اُردو کی سب سے زیادہ شائع ہونے والی کتابوں میں کیا جاتا ہے۔'' (۱۱)

کلیم الدین احمد کو حالی کے یاں کہیں گہرائی نظر نہیں آتی لیکن کمال احمد صدیقی حالی کے ہاں گہرائی کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حالی کے جملوں کا حوالہ بھی دیتے ہیں:

لفظ اپنے مفاہیم اور معانی کی وجہ سے ہے۔ حالی نے دو جملوں میں ایک بہت گہری اور اہم بات کہی ہے:

''....لفظ جادو کی فوج سامنے کھڑی کر دیتا ہے اور کبھی وہ ایک ایسے خیال کو، جو کئی جلدوں میں بیان ہو سکے، ایک لفظ میں ادا کر دیتا ہے۔'' (۱۲)

''ذوقیات کی اِصطلاح اُردو کو حالی کی دین ہے۔ ایسی بامعنی اور خوبصورت اصطلاح کا چلن نہیں ہوا، یہ حیرت کی بات ہے۔ نیچر، حقیقت، واقعات، مشاہدات وغیرہ کا تاثر جو لذّت، نشاطِ حسیات، سے متعلق ہے، ذوقیات ہے۔ ایک صدی سے زیادہ زمانہ مقدّمہ پر گزرا، حالی سے زیادہ جامع طریقے سے اس نکتے پر نہیں لکھا گیا۔ بل کہ شاید اس نکتے سے بحث بھی نہیں کی گئی۔'' (۱۳)

یہاں وہاب اشرفی کے ایک اہم مضمون ''حالی کا تنقیدی شعور: چند امور'' کے اقتباسات کا تذکرہ بے جا معلوم نہیں ہوتا۔ وہاب اشرفی نے کلیم الدین احمد کے ''حالی'' کے بارے میں جارحانہ خیالات کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے:

''آج کا باشعور نقاد جب کلیم الدین احمد کی بحث جو لفظ و معنی سے متعلق ہے، پڑھتا ہے تو اسے ہنسی آتی ہے اور وہ بہت اطمینان سے یہ کہہ سکتا ہے کہ بے چارے کلیم الدین احمد کو چونسکی کی خبر نہ تھی، وہ سوسیئر سے واقف نہ تھے، حد تو یہ ہے کہ وہ تاراپُور والا سے بھی آگاہی نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے لفظ و معنی کی بحث ان کے یہاں بے جان ہے۔ حالاں کہ یہ بات کہنا گہرائی اور گیرائی سے خالی ہوگئی۔ مہذّب اور شائستہ ذہن ان امور کا ابطال کرتا ہے اور ہر چیز کو سیاق و سباق میں دیکھنا اس کا روّیہ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حالی کے یہاں ہر معاملے میں شائستگی کا پہلو مقدّم رہا ہے۔ ان کے یہاں افراط و تفریط نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی بوطیقا میں (اگر ان کی کوئی بوطیقا ہوسکتی ہے) توازن کی بڑی اہمیت ہے اور یہ توازن یوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمام انسانی عوامل کو اخلاقی رویے کے پس منظر میں دیکھتے ہیں۔ چناں چہ تاریخ اور فلسفے سے ان کی گہری واقفیت ان کے اپنے اخلاقی رویے پر حاوی نہیں ہوتی اور وہ ایک ایسے کا شعور کے علم بردار بن جاتے ہیں جس کی ضرورت انسانی زندگی میں ہمیشہ رہتی ہے۔'' (۱۴)

سید محمد عقیل اپنے مضمون ''مشرقی حالی پر مغرب کا نوآبادیاتی (Colonial) دباؤ'' میں ''مقدّمہ'' کو حالی کا سب سے اہم کارنامہ قرار دیتے ہیں:

''مقدّمہ شعر و شاعری حالی کا سب سے اہم کارنامہ ہے جس نے اُردو تنقید کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور یہ صحیح ہے کہ مقدّمہ شعر و شاعری اُردو کی نئی تنقید کی خشتِ اوّل ثابت ہوا۔''(۱۵)

سید محمد عقیل مقدّمہ کے مباحث شعر کی عظمت، وزن کی اہمیت، تخیل، مطالعہ کائنات اور تفحصِ الفاظ کو اہم گردانتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ سب بحثیں بہت مفید اہم ہیں، جن سے اُردو والے جزوی طور پر تو واقف تھے مگر کماحقہٗ نہیں۔ ''کتاب العمدہ'' اور ''نقدالشعر'' وغیرہ میں بھی اسی طرح کی کچھ بحثیں ہیں مگر ان سب کو ایک تار میں پرو کر، تنقید کے لیے ایک نیا راستہ پیدا کرنا یقیناً حالی کا بڑا کارنامہ ہے۔''(۱۶)

صالحہ عابد حسین نے ''یادگارِ حالی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں مولانا حالی کی شخصیت و فن کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ''مقدّمہ'' پر بھی ایک مضمون اس کتاب کے حسن میں اضافہ کرتا نظر آتا ہے۔ صالحہ عابد حسین ڈاکٹر عابد حسین کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''یہ مقدّمہ ان کے حسنِ ذوق اور وسعتِ نظر اور جدتِ خیال کا آئینہ ہے۔ جب کوئی غیر شاعر شعر کی تنقید پر قلم اٹھاتا ہے تو عموماً منطقی بحثوں میں پڑ کر اصل حقیقت کو نظرانداز کر دیتا ہے مگر حالؔی خود شاعر ہیں، اس لیے انھوں نے اصولی مسائل کے ساتھ ساتھ فن کی باریکیوں کو بھی خوب سمجھا اور سمجھایا ہے۔ اُردو میں حالی سے پہلے شعر کی تنقید کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے تھے کہ لفظوں اور ترکیبوں کو اساتذہ کے کلام کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیں۔ حالی ہی نے پہلے پہل یہ بحث چھیڑی کہ شاعری کی روح کیا ہے اور وہ شعر میں کیسے پیدا ہوتی ہے۔''(۱۷)

صالحہ عابد حسین حالی کے حکیمانہ انداز اور فلسفیانہ نظر کی تعریف ان الفاظ میں کرتی ہیں:

''حالی نے حکیمانہ انداز اور فلسفیانہ نظر سے شعر کی اصل اور بنیادی صفات پر مفصل اور مدلل بحث کر کے یہ ثابت کیا کہ شاعری کا مقصد محض لفظوں سے کھیلنا اور خیالی طلسم بنانا نہیں بل کہ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ شعر کا کام سچے وارداتِ قلب کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ سننے والے کے دل میں اتر جائیں.... اور شعر کا کام قوم کو اصلاح کی طرف متوجّہ کرنا اور اس کو پستی سے نکال کر ترقی کی راہ پر ڈالنا، اس میں اچھا ذوق اور اچھے کام کی قدر پیدا کرنا بھی ہے۔ انھوں نے ثبوت میں بہت سے مغربی اور مشرقی شاعروں کے حوالے بھی دیے ہیں۔''(۱۸)

جہاں تک کلیم الدین احمد اور دیگر نقادوں کا تعلق ہے کہ ان کے نزدیک حالی کا ''مقدّمہ'' مغربی تنقید سے کم تر درجے کی چیز ہے تو سب سے پہلے ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انھوں نے ''مقدّمہ'' اُردو شاعری کے حوالے سے لکھا ہے۔ حالی کے ''مقدّمہ'' کو ہمیں انگریزی تنقید کی روایت میں دیکھنے کی بجائے عربی و فارسی روایت کے

حوالے سے دیکھنا چاہیے۔ ویسے مولانا حالی نے ''مقدّ مے'' میں کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی یہ کتاب مغربی تنقید سے بڑھ کر ہے۔ صالحہ عابد حسین حالی کے دفاع میں ان خیالات کا اظہار کرتی ہیں:

> ''آج کل بعض نقاد حالی کے مقدمے کا موازنہ یورپین نقادوں کی کتابوں سے کر کے اسے پست، گھٹیا اور سطحی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ یورپ زدہ لوگ جن کے ذہن مغرب کی غلامی میں گرفتار ہیں شاید اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ہر زبان کے ادب کی خصوصیات الگ ہوتی ہیں۔ خصوصاً مقدّمہ جو اُردو میں اپنے رنگ کی تنقید کی پہلی کتاب ہے، اسے مغربی ادب کی کسوٹی پر کَسنا کہاں تک جائز ہے؟ مقدمے کے مصنّف (اور اس وقت کا اُردو ادب) انگریزی زبان سے ناواقف تھے، مغربی لٹریچر پر انھیں پورا عبور حاصل نہ تھا۔ انھوں نے مغربی ادب کی موٹی موٹی بنیادی صفات کو (بعض کتابوں سے ترجمے پڑھ کر) ضرور سمجھا تھا۔ وہ اس پر خود عمل کرنے کی کوشش کرتے اور دوسروں کو وہ اصول سمجھاتے تھے مگر انھوں نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ یورپ کے اعلیٰ پاس کے نقادوں کے برابر یا ان سے بڑھ کر ہیں بلکہ حالی تو کسی بھی ایسے مؤقف پر اپنی نارسائی اور عجز کا اظہار کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ کتاب بھی انھوں نے اپنی دوسری کتابوں کی طرح ادب میں جدید رنگ پھیلانے کی خاطر لکھی تھی اور اس لیے یہ کتاب تنقید میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، دوسرے اس پر بلند سے بلند عمارت تعمیر کر سکتے ہیں لیکن عمارت کی بلندی یا شان و شوکت کی وجہ سے کیا بنیادی پتھر کی ضرورت اور اہمیت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔''(۱۹)

''مقدّمہ'' پڑھتے ہوئے کسی الجھاؤ اور کسی ابہام کا احساس نہیں ہوتا۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ہمارے نقادوں نے اسے ایک دیباچہ اور مقدّمہ سمجھ کر پڑھا ہی نہیں۔ شعر کی جتنی اور جیسی خوبیاں اور شرائط مولانا حالی نے بیان کی ہیں، وہ اگر مغربی نقادوں نے زیادہ کھول کر بیان کر دی ہیں تو اس سے حالی کی بیان کردہ شرائط کون سی کم زور پڑ جاتی ہیں۔ حالی نے اُردو شعر و شاعری کے لیے یہ شرائط اپنے دیباچے یا مقدمے کی ضرورت کے مطابق بیان کی ہیں۔ ویسے بھی حالی تنقید کی ضخیم کتاب نہیں لکھ رہے تھے۔ تنقید کی ایسی ضخیم کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن ''مقدّمہ'' آج بھی ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

مولانا حالی کا یہ کمال کیا کم ہے کہ انھوں نے شعر کی تعریف، اس کی اہمیت و افادیت، قوتِ متخیلہ، لفظ و معنی، مشاہدہ، اخلاق، مطالعہ فطرت، سادگی، جوش، اصلیت، تاثیر، آمد، آورد، غزل کی اصلاح، وزن، قافیہ اور اُردو پر دسترس کے لیے لکھنوی اور دہلوی زبان کے تتبع اور عربی فارسی اور ہندی بھاشا میں لیاقت و مہارت اور شاعری میں استادی شاگردی، جیسے موضوعات پر اس انداز سے روشنی ڈالی کہ شاعری کے اصول و ضوابط پر مبنی تنقیدی کتاب وجود میں آ گئی۔ اس کتاب سے جدید تنقید کا سورج طلوع ہو گیا۔ حالی کا اسلوب اتنا دل نشین ہے کہ قاری اسے بار بار پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کیا کلیم الدین احمد اور دیگر سخت گیر نقادوں کی تحریریں جو حالؔی کے خلاف ہیں، اتنے تواتر

اور ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ اگر ایسے تنقید نگاروں کی تنقید میں صداقت اور جان ہوتی تو لوگ ''مقدّمہ'' چھوڑ کر ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ حالی اوریجنل آدمی تھے۔ آپ تلمیذالرحمٰن تھے۔ آپ کی شخصیت میں دیانت داری، شرافت اور عجز وانکسار کا مادہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ خیالات کو بجے تلے اور نہایت خوب صورت الفاظ میں بیان کرنے میں یدِطُولیٰ رکھتے تھے۔ مراد یہ کہ حالی صاحبِ طرز تھے اور اُردو ادب میں حالی کے طرز کو دوام حاصل ہوا ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق حالی کے ''مقدّمہ'' کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں:

> ''حالؔی نے مقدّمہ شعر و شاعری میں پہلی بار ہمارے ادب پر اصولی اور تنقیدی نظر ڈالی، اس میں انھوں نے شعر کی ماہیت، اس کی عظمت، اس کے انقلاب انگیز اثر، سوسائٹی سے اس کا تعلق، شخصی حکومت میں شاعری کی آزادی کو نقصان، شاعری کی لازمی شرطیں، الفاظ ومعنی کا تقابل، لسانی مسائل اور مختلف اصنافِ سخن اور ان کے عیوب ومحاسن پر مفکرانہ بحث کی ہے۔ ان کی رائے میں جس طرح ہر علم وفن کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ شعر کا بھی مقصد ہے۔ وہ محض تفریحِ طبع اور تفنّن کے لیے نہیں اور جس طرح دوسرے علوم وفنون میں افادیت کا پہلو ہے۔ شعر بھی اس افادیت سے خالی نہیں۔ اس کی تائید میں مشرق ومغرب کی مثالیں پیش کرکے بتایا ہے کہ شعرا نے اپنی جادو بیانی سے کیسے کیسے عظیم الشان کام کیے اور افراد اور اقوام کے خیالات میں انقلاب پیدا کرنے میں کیا کام ہے۔''(۲۰)

ہمارے بعض ناقدین حالؔی کے بارے میں کہتے ہیں کہ حالی نے تخیل کی جو تعریف کی ہے اور اہمیت بتائی ہے، وہ مغربی نقادوں خصوصاً کولرج سے کم درجے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ تخیل کے حوالے سے جو بات حالی نے کی ہے، کیا اس کی سمجھ نہیں آتی۔ کیا حالؔی کی تعریف میں تخیل کے لازمی عناصر موجود نہیں ہیں۔ حالؔی نے تخیل کی جو تعریف کی ہے، وہ سمجھ میں آتی ہے اور اس تعریف سے تخیل کے ضروری عناصر بھی سامنے آجاتے ہیں۔ آل احمد سرور اس کا جواب اپنے مضمون ''حالی کے مقدّمہ شعر و شاعری کی معنویت'' میں دیتے ہیں:

> ''ظاہر ہے کہ مغربی افکار حالی تک کچھ انگریزوں اور کچھ انگریزی داں دوستوں کی وساطت سے پہنچے تھے۔ خود انگلستان میں تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ تر اٹھارھویں صدی کے نوکلاسیکی دور کے افکار سے متاثر تھا۔ رومانی تحریک کے اثر سے جو فکری انقلاب رونما ہوا، وہ اس وقت تک ذہنی فضا پر زیادہ گہرا اثر نہ ڈال سکا تھا۔ جو تعلیم یافتہ انگریز ہندوستان آئے تھے اور تعلیمی اور انتظامی حلقوں میں کام کر رہے تھے، ان کی کائنات ہی نوکلاسیکی فکر تھی۔ کولرج کا نام ضرور لیا جانے لگا تھا مگر اس سے پورا استفادہ کم کیا جاتا تھا۔ اس لیے حالؔی کے یہاں مکالے اور اس قبیل کے دوسرے حوالے ہی آسکتے تھے۔''(۲۱)

حالی نے مقدّمہ میں لکھا ہے کہ ''شعر اگرچہ براہِ راست علمِ اخلاق کی طرح تلقین اور تربیت نہیں کرتا لیکن ازروئے

انصاف اس کو علمِ اخلاق کا نائب مناب اور قائم کہہ سکتے ہیں'۔ کلیم الدین اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ کلیم الدین احمد کا یہ اعتراض بھی ہماری تفہیم سے بالا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالی جس دور میں یہ بات کہہ رہے ہیں، وہ مسلمانوں کے لیے دورِ ابتلا تھا۔ یہ اسی طرح کا اعتراض ہے جیسے سرسید کی تحریروں پر مقصدیت غالب ہے۔ ادب پارہ ہے کیا؟ اس کے ذریعے آخر کوئی خیال، کوئی نکتہ یا کوئی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ ادب کسی معاشرے، کسی خطے یا علاقے کے لوگوں کے لیے لکھا جاتا ہے۔ مولانا حالی سرسید کے پلیٹ فارم سے بات کر رہے تھے، اس لیے مقصدیت اور اخلاقیات اس پلیٹ فارم کی اوّلین غایت تھی۔ اس ضمن میں آل احمد سرور کے خیالات خاصے وقیع اور جان دار ہیں:

> ''کلیم الدین اس پر معترض ہیں لیکن حالی کے ذہن میں اخلاق کا محدود تصوّر نہیں، مجموعی خیر کا تصوّر ہے۔ شاعری نجات کا راستہ واقعی نہیں دکھاتی، ہاں انسان کو صداقت، حُسن اور خیر کی قدروں کے ذریعے انسان کی روح سے آشنا کرتی ہے۔ یہ کسی محدود اور رسمی اور وقتی اخلاق سے بلند ہے مگر بالآخر اخلاقی ہوتی ہے۔'' (۲۲)

کلیم الدین احمد اور اسی قبیل کے کچھ اور نقّاد جب اُردو ادب کے کسی شاعر یا نقّاد کی کسی چیز کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں فوراً مغربی شاعر اور نقّاد یاد آنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نظیر اکبرآبادی، اسماعیل میرٹھی اور حاؔلی کی نظمیں پڑھتا ہے تو فوری طور پر ان نظموں کا موازنہ و مقابلہ بغیر سوچے سمجھے ورڈزورتھ، کالرج، کیٹس اور شیلے کی نظموں سے شروع کردے۔ موازنہ کرنے کا بھی کوئی جواز ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ستو پیتے ہوئے سیون اپ کے بعد آنے والے ڈکاروں کا انتظار کرے تو اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو مغربی ادب کا کمپلیکس ہے اور مغربی ادب کے علاوہ کسی دوسری زبان کا ادب اس کی نظر میں جچتا ہی نہیں تو ''میں نہ مانوں'' والی رَٹ کا تو کسی کے پاس حل نہیں۔ حاؔلی پہلے شاعر ہیں، اس لیے ان کی تنقید کے پس منظر میں ایک باشعور فن کار موجود ہے۔ آل احمد سرور نے درست کہا ہے:

> ''حالی ہمارے پہلے بزرگ نقاد ہیں۔ وہ بڑے نقاد اس لیے ہیں کہ اچھے شاعر بھی ہیں اور تخلیق کی دنیا میں ان کا کارنامہ اپنے ہم عصروں یعنی داغ، امیر، جلال سے زیادہ تازہ کار اور لالہ کار ہے۔ ان کی تنقید دراصل ان کی شاعری کے بنیادی افکار کی تشریح اور تنظیم ہی ہے۔ ہر تخلیقی فن کار میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے شعلے کو چراغاں کے تناظر میں دیکھ سکے۔ حالی میں یہ صلاحیت تھی۔'' (۲۳)

اگر ہم دیانت داری سے مقدّمے کے بارے میں فیصلہ دیں تو حالی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ سو فیصد درست ہیں۔ حاؔلی فطرت کو کھلی کتاب کہتے ہیں اور مطالعہ کائنات، زندگی کے عمیق مشاہدے، سادگی، اصلیت اور جوش پر زور دیتے ہیں۔ حالی نے مقدّمہ لکھ کر نہ صرف ادیبوں شاعروں بل کہ معاشرے پر بھی بہت بڑا احسان کیا۔

حالی نے شاعری پر سنجیدگی سے نگاہ ڈالی اور انھوں نے سماج اور شاعری کے رشتے پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے

شاعری میں فکر و خیال کو اہمیت دی اور صرف قافیہ پیمائی کو شعر کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ کیا کسی حکیم کے نسخے کو منظوم کر دیا جائے یا اکہتر، بہتر اور تہتر کہہ دیا جائے تو کیا حکیم کا نسخہ اور گنتی شاعری کے دائرے میں آ جائے گی۔

''مقدّمہ شعر و شاعری'' سے قبل تذکروں میں تنقیدی خیالات ملتے ہیں۔ ان تذکروں میں شعرا کے منتخب اشعار، حالاتِ زندگی، شخصیت کے مختلف پہلو اور کلام پر طائرانہ نظر جیسا مواد ملتا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے تخلیق کار کے تخلیقی جذبے، اس کی پروازِ فکر اور فنِ شعر کے مختلف اوزاروں کے حوالے سے سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ شاید ان کی ایسی ضرورت بھی نہ تھی۔ زندگی ایک مخصوص دائرے میں رواں دواں تھی۔ کسی چیز کے بارے میں علم حاصل کرنا، پھر اسے تسلیم کرنا اور پھر اس کی تکرار کرنا ہی تذکرہ نگاروں کے لیے اہم تھا۔ جب زندگی آگے بڑھی، نئے افکار کا غوغا بلند ہوا اور نئی تہذیب کی ہوا چلی تو مولانا حالی نے ''مقدّمہ'' کی شکل میں نیا راستہ دکھایا۔ حالؔی نے ''مقدّمہ'' کے ذریعے فہم و ادراک کے نئے دروازے کھولے۔ شاعروں اور تخلیق کاروں کے سامنے وہ باتیں رکھیں، جو شاید ان کے لاشعور میں تھیں۔ شعر کا مفہوم کیا ہے، شعر کب کہنا چاہیے؟ شعر کے لیے کون سے اصول مدِّنظر رکھنے چاہییں؟ شعر میں کون سی باتیں بیان کرنی چاہییں؟، جیسی کارآمد باتیں مقدمے میں پہلی بار بیان کی گئیں۔ آلِ احمد سرور کی رائے حتمی معلوم ہوتی ہے:

> ''حالؔی کا نظریۂ شعر مرکزی مسائل پر توجّہ کی وجہ سے جا بجا اختلاف کے باوجود برابر اہم رہے گا اور حالؔی نے تنقید کے لیے جو زبان اور اُسلوب اختیار کیا ہے، وہ مستقل قدر و قیمت کا مالک رہے گا۔ گذشتہ سو سال میں تنقید میں بہت سی راہیں کھلی ہیں مگر حالؔی کی شاہراہ کلیم الدین اور سلیم احمد کے فرمودات کے باوجود اُردو تنقید کے لیے صراطِ مستقیم کہی جا سکتی ہے۔ بڑا نقاد وہ ہے، جس سے اختلاف تو کیا جا سکے مگر اس سے انکار ممکن نہ ہو اور جس سے ہر دور میں بصیرت ملتی رہے۔ ہاں اسے پرکھنے کے لیے تاریخیت اور مطلقیت کے بجائے تناظریت کو رہبر بنانا ہوگا۔''(۲۴)

حواشی:

(۱) الطاف حسین حالی، **مقدّمہ شعر و شاعری**، لاہور: خزینۂ علم و ادب، ۲۰۰۱ء، ص۶۵

(۲) کلیم الدین احمد، **اُردو تنقید پر ایک نظر**، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۲ء، ص۲۷

(۳) ایضاً ، ص۳۷

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً ، ص۴۷

(۷) ایضاً ، ص۷۶، ۷۷

(۸) ایضاً ، ص۷۷

(۹) ایضاً ، ص۸۸

(۱۰) ایضاً ، ص۱۲۸

(۱۱) پروفیسر نذیر احمد، **الطاف حسین حالی، تحقیقی و تنقیدی جائزے**، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۲ء، ص۱۲۸

(۱۲) ایضاً ، ص۱۳۴

(۱۳) ایضاً ، ص۱۵۴، ۱۵۵

(۱۴) ایضاً ، ص۱۸۷

(۱۵) ایضاً ، ص۱۸۸

(۱۶) صالحہ عابد حسین، **یادگارِ حالی**، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۷ء، ص۲۳۶، ۲۳۷

(۱۷) ایضاً ، ص۲۳۷

(۱۸) ایضاً ، ص۲۴۰

(۱۹) ڈاکٹر مولوی عبدالحق، **افکارِ حالی**، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۷۰ء، ص۱۰۰

(۲۰) آل احمد سرور، ''حالی کے مقدّمہ شعر و شاعری کی معنویت''، مشمولہ مجموعہ **تنقیدات**، مرتبہ؛ عاصمہ وقار، لاہور: الاعجاز پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص۶۹۶

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً ، ص۶۹۵

(۲۳) ایضاً ، ص۷۰۰

❍❍❍